لوک کہانی، ایک تجزیہ

Folk Tale;An Analysis.

ڈاکٹر سعید بھٹا
پروفیسر، جی۔ سی۔ یونیورسٹی، لاہور

Abstract

Story is one of the oldest mediums of human beings to preserve and express their experiences. The story has been existed in almost every language of humans. Folktale is an oldest form of story. The folktales encapsulate collective experiences and cultural ethos and of people. Nevertheless, Folktales travel from one language to another and they are common heritage of humans. This article explores Punjabi folktales and underscores their salient features.

کلیدی الفاظ۔ دیومالا، محمد اجمل، چارسیانے، اشتیاق احمد، بر عظیم۔

کہانی اور انسان کا ازلی ناطہ ہے، جب انسان نے اپنے تجربات کو الفاظ کے ذریعے بیان کرنا سیکھا تو کہانی وجود میں آئی۔ زمانۂ قدیم کا انسان غاروں میں بسیرا کرتا اور پیٹ بھرنے کیلئے پھلوں اور شکار کا سہارا لیتا تھا۔ رات کے وقت قبیلے کے سب جنے مل بیٹھتے تو دن بھر کی بھاگ دوڑ کے تجربے بیان ہوتے، اور کہانیاں بنتی چلی جاتیں۔ کہانی کے آغاز بارے ایسی قیاس آرائیاں درست ہو سکتی ہیں۔ مگر لوک کہانی کا دائرہ انسانی تجربے سے کہیں آگے کی کلا ہے۔ اگر تخلیق کا سرچشمہ تخیل ہے تو لوک کہانی کے پس منظر میں کسی علاقے کے بسنے والے ہزاروں لوگوں کا صدیوں سے، نسل در نسل چلتا آرہا وہ تخیل ہی ہوتا ہے جس کی روانی میں براعظموں کی روک مزاحم نہیں ہو سکتی۔ یوں لوک کہانیاں ایک دوسرے میں گڈ مڈ ہوتے ہوئے بھی اپنی شناخت برقرار رکھتی اور رواں دواں رہتی ہیں۔ یفنے نے تو یورپی کہانیوں کا تعلق بر عظیم سے جوڑا ہے۔ (1) وہ تو مہابیانیہ کی جھلک بھی یہیں پاتا ہے۔ یہاں کسی ایک معاشرت اور اس کی کلا کو نیچا دکھانا مقصد نہیں مگر یہ تو جانا مانا سچ ہے کہ لوک کہانی کی آوت جاوت مختلف معاشرتوں میں برملا دیکھی جا سکتی ہے۔

کہانیوں کی کئی قسمیں ہیں جیسے دیومالائی داستانیں، شجیع مدبروں کی کہانیاں، پری کہانیاں اور بات بتولی وغیرہ، لیکن ہم لوک کہانی کا ہی تجزیہ کریں گے۔ لوک کہانی کا گھیرا بہت، وسیع اور کثیر المنظر ہوتا ہے۔ اس میں گھریلو جیون کے تجربات اور تخیل کی مدد سے ایک ایسی معاشرت کا نقشہ وجود میں لایا جاتا ہے۔ جس میں جیون کے کئی روپ سما جاتے ہیں جیسے لوگوں کے جھگڑے، تنازعے، سوداگروں کی مہمات، ٹھگی، چالاکی کے واقعات، جنس، فقر، شہزادیوں تک رسائی، نشے بازوں کے مکالمے، اَن دیکھی جگہوں کی سیر، دیووں کے ساتھ لڑائیاں، پریوں سے یاریاں، جعلی پیروں کی تصویریں، ساس بہو کی توتکار، جَت سَت، لوک دانش، خیرات، سخاوت، جانوروں بارے معلومات۔ لوک کہانیاں انہی موضوعات سے بھری پڑی ہیں۔ ان کے کردار آدرشی جیون کیلئے مہمیں سر کرتے اور کامران لوٹتے ہیں۔ ناکامی کا ذائقہ انہوں نے کہیں چکھا ہی نہیں۔

لوک کہانیوں کی بُنتر سیدھی سادی ہوتی ہے کبھی کوئی واقعہ دوسری کہانی سے آن جھانکتا ہے، مگر ٹکتا نہیں۔ کچھ کہانیاں اگر لوک دانش کا خزانہ کہلانے کی مستحق ہیں تو دوسری کئی عقلی معیار پر پوری نہیں اترتیں مگر جادوئی چیزوں کے استعمال سے گھاٹا دور کر دیا جاتا ہے۔ پھر بھی یہ کہانیاں اپنے سحر سے آزاد نہیں ہونے دیتیں۔

"چار سیانے" پنجابی لوک دانش کا انمول خزانہ ہے۔ یہ چار بھائیوں کی کہانی ہے جو باپ کی وفات کے بعد سرداری کی پگڑی سر پر رکھنے سے گریز کرتے ہیں۔ یہ کہہ کر کہ دوسرا بھائی مجھ سے زیادہ سیانا ہے۔ وہ ایک منصف کے پاس فیصلہ کروانے جا رہے ہوتے ہیں کہ ان کی ملاقات ایک ایسے شخص سے ہوتی ہے جس کی اونٹنی گم ہو گئی ہے۔ وہ ان سے پوچھتا ہے تو وہ ساری نشانیاں بتا کر کہتے ہیں کہ ہمیں یہ نہیں معلوم اونٹنی ہے کہاں۔ آگے چل کے دوسرا شخص کہتا ہے کہ میری عورت گم ہوئی ہے۔ یہ پھر ساری نشانیاں بتا کر کہتے ہیں کہ ہم نہیں جانتے عورت کہاں ہے۔ منصف کے گاؤں پہنچ کے انہیں ایک ادھیڑ عمر کی عورت ملتی ہے جو کہتی ہے کہ "وہ تو مر گیا ہے" اس پر ایک لڑکی بول اٹھتی ہے کہ "مرا نہیں اندھا ہو گیا ہے" اس دانش کا بھید پانے کے لئے مندرجہ ذیل سطریں دیکھیں:

> "اونٹنی والے نے بتایا میں نے ان سے پوچھا جانور کے بارے میں، انہوں نے بتایا کہ اونٹنی ہے۔ کانی ہے اور اس پر شہد لدا ہوا ہے۔ اب کہتے ہیں کہ پتہ نہیں" اس نے چاروں بھائیوں کی طرف رُخ کیا۔ بڑا بولا "اس نے کہا کہ جانور بھاگ گیا میں نے کہا، اونٹنی ہے کیوں کہ اس کا پیشاب قدموں کے نشان پر گرا تھا" دوسرے نے بتایا' "اونٹنی کے ساتھ مردانہ قدموں کے نشان نہیں تھے اس لیے میں نے کہا اکیلی ہے"۔ تیسرا بھائی بولا "جی میں نے کہا کانی ہے کیونکہ اس نے درختوں کے پتے ایک طرف سے کھائے دوسری جانب مونہہ نہیں مارا" چوتھے

نے کہا"میں نے کہا شہد لدا ہوا ہے، کیونکہ جن جھاڑیوں سے رگڑ کھا کر گزری وہاں شہد کی مکھیاں نظر آئیں" (2)

مصنف نے اونٹنی والے سے کہا"بھاگ جاؤ یہاں سے۔ اونٹنی ان کے پاس نہیں، وقت کا زیاں نہ کرو"

مصنف ان چاروں بھائیوں کو اپنے ہاں رکھ لیتا ہے۔ بڑے تینوں کہتے ہیں کہ فلاں مانگ پوری نہ ہو تو نیند نہیں آتی۔ آخر وہ چھوٹے کے حق میں فیصلہ دیتا ہے جو عادت کا غلام ہو اسے بڑائی نہیں سجتی۔ اس کہانی کا ایک ایک انگ پنجاب کی معاشرت اور سوجھ بوجھ سے بھرپور ہے۔ اس میں لوک دانش، منصفی کا نظام اور جاگتی آنکھوں دکھنے والی کئی تصویریں نظر آتی ہیں۔

لوک کہانیوں میں ماورائی اشیاء کا ایک جہان آباد ہوتا ہے، اگر عقلی حوالے سے دیکھا جائے تو موجودہ دور میں ایسی غیر عقلی اور غیر سائنسی چیزوں کی ضرورت نہیں پر ہم دیکھتے ہیں کہ نانی اماں اور چھوٹے بچے اپنے تخیل کی مدد سے اک نرالا جہان آباد کرتے ہیں۔ سرسری نگاہ میں تو یہ جہان بہت بھولا اور سادہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کی امکانی صورتوں میں اسے کل کی صورت میں دیکھنے کا گن موجود ہے، جس کی علامتی حیثیت اپنے اندر معانی کا بہت وسیع انداز رکھتی ہے۔ اس طرح اس آفاقیت سے موجودہ دور کا انسان بھی کنی کترا کے نہیں نکل سکتا۔

لوک کہانیوں کے ذخیرے کا ایک بڑا پہلو طلسم بھی ہے۔ طلسم قائم کرنا کہانیوں کا ایک بڑا موضوع ہے۔ پارکھوں نے جادو ٹونے سے لے کر اس کے مابعد الطبعیاتی معانی تک کئی قسمیں گنوائی ہیں۔ یہاں لوک کہانی کا ایک نمونہ پیش کیا جاتا ہے :

"اوندھا پڑا بڑا پیالہ سیدھا کیا تو اس کے نیچے سے سب کچھ نکل آیا۔ ساری برات گھوڑیوں سمیت، ڈولا، وہ تو آپ کی کرامات سے مکھی بنا پڑا تھا۔ کہا"اپنے ایمان کو حاضر ناظر جان کر جو اس کا ڈولا ہے پڑا رہنے دو، باقی سب کچھ لے جاؤ"۔(3)

جون بدلنا بھی کہانیوں کا ایک بڑا موضوع ہے، یہاں اس سے مراد آواگون نہیں جس میں ایک انسان اپنے کرموں کی وجہ سے دوسرا جنم لیتا ہے۔ مگر طلسمی یا جادوئی دنیا میں کوئی سورما یا کوئی اور جنا ایک جون سے دوسری میں چلا جاتا ہے، یہ باتیں موجودہ دور کے فرد کی نظر میں عقل سے ماورا اور بعید القیاس ہونے کی بنا پر نہ ماننے لائق ہیں۔ مگر پرانے سمے کا انسان کائنات کو کل سمجھتا تھا۔ اس لئے درخت جانور، دریا اور پتھر بھی انسان کی طرح اس کی کہانیوں کے کردار ہوتے تھے۔ اس طرح کی کہانیوں میں سے ایک کہانی "بلے کے مونہہ مرغا" ہے جو ہو سکتا ہے کسی پنجابی نے نہ سنی ہو:

"اس نے اٹھ کر سلام کیا، انہوں نے نہیں پہچانا، تب لڑکا بولا "اماں! بھول گئی ہو جسے فقیر کے پاس چھوڑ گئی تھیں میں وہی تمھارا بیٹا ہوں" وہ بولی "ہائے! میں مر گئی۔ میرے بعد تمہارا یہ حال" اس نے کہا" میری بات سنو، حال کو چھوڑو۔۔۔ یہ فقیر جادو گر تھا، اس نے سارا جادو مجھے سکھا دیا ہے"(4)

شاگرد بھاگنے کی کوشش کرتا ہے تو جادو گر کے ساتھ اس کا دوبدو مقابلہ شروع ہو جاتا ہے، شاگرد اونٹ، بھینس، گھوڑے، توتے چھلے، بکری، ہار اور بلے کی جون بدلتا ہے۔ استاد باز، قصائی اور مرغ کے روپ اختیار کرتا ہے۔ یہ سارے روپ گویا نفس کی وہ خواہشات ہیں جن کی جھلک سماجی برتاؤ میں نظر آتی ہے، ان میں سے کوئی بھی جون ایسی نہیں جو بہت بڑے مابعد الطبعیاتی معنے رکھتی ہو، یہ سب روپ تو کہانی میں دہشت سے بچنے کیلئے اختیار کئے گئے۔ روحانی دنیا میں پرندے کی علامت بہت نمایاں ہے:

"پرندوں کی زبان کو "ملکوتی زبان" کا نام بھی دیا جاسکتا ہے اور عالم ناسوت میں اس کا رمز زبانِ موزوں قرار پایا ہے کیوں کہ آہنگ کا علم جس کے متعدد اطلاقی پہلو ہیں درحقیقت آخر الامر ان تمام ذرائع کی اساس ہے۔ جنہیں وجود کی اعلیٰ تر حالتوں سے رابطہ قائم کرنے کی غرض سے بروئے کار لایا جاسکتا ہے"(5)

اسلامی روایات میں پرندوں اور ان کی بولی کے ارفع معانی ہیں پر یہاں باز اور مرغے کی علامتیں وجود کی نچلی سطحوں سے اوپر نہیں اٹھ پائیں۔ اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہو گا کہ انسانیت کا بچھڑنا ہی وجود کے علامتی معنی دے رہا ہے۔

دیووں کی بے شمار کہانیوں میں ایک مشترکہ بات یہ ہوتی ہے کہ کسی شہزادی پر دیو عاشق ہو جاتا ہے اور دیووں کے دیس میں کسی غار، جنگل یا باغ میں اسے قید کر دیتا ہے۔ کوئی شہزادہ یا عام فرد وہاں پہنچتا ہے تو شہزادی پہلے ہنستی ہے پھر رو دیتی ہے۔ جب وہ اس سے پوچھتا ہے کہ "ہنسیں کیوں اور روتی کیوں ہو؟" وہ جواب دیتی ہے "ہنسی اس لئے کہ کسی آدم زاد کو دیکھا اور روئی اس لئے کہ ابھی دیو آئے گا اور تمھیں کھا جائے گا" وہ بندے کو کسی اور جون میں بھیج کر دیو سے یہ راز اگلوا لیتی ہے کہ اس کی جان کس چیز میں ہے۔ دیو کی جان عموماً توتے یا کسی اور پنچھی میں ہوتی ہے۔ لوک کہانی کے مطابق:

"اس نے کہا "میری جان توتے میں ہے، توتا ہے پنجرے کے اندر اور پنجرہ ایک چٹان کے نیچے ہے، آس پاس بچھو، ناگ اور اژدہا پھرتے ہیں، کون قریب جاسکتا ہے؟ میری جان لینے کی کوشش کون کرے گا۔(6)

محمد اجمل ایسی کہانیوں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اپنی لوک کہانیوں سے بے خبر ہونا وہی بات ہے جو دنیا بھر کی لوک کہانیوں میں ایک خارجی روح رکھنے کے مترادف سمجھی جاتی ہے۔ روح کے بدلے میں جسمانی ابدیت حاصل کرنا روح کو جسم سے الگ کسی ڈبے یا طوطے میں ڈال دینے کے مترادف ہے۔ اس شخص کو جو دیو ہوتا ہے اور خارجی روح کا حامل ہوتا ہے۔ موت بے خبری کے عالم میں آدبوچتی ہے وہ اچانک درد سے کراہتا ہے اور ختم ہو جاتا ہے اسے علم نہیں ہوتا کہ وہ کب، کیوں اور کس طرح مر گیا۔ وہ ہمیشہ غیر محفوظ رہتا ہے، کیونکہ وہ اپنی جسمانی اور مادی طاقت پر بہت بھروسہ کرتا ہے لیکن اپنی روح کو اپنے سے الگ رکھ چھوڑتا ہے۔(7)

ہماری لوک دھارا میں سانپوں کے بارے کئی کہانیاں ملتی ہیں۔ کبھی کوئی شہزادی ناگ کے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے، کبھی سانپ نے کسی جگہ پر قبضہ کر کے ارد گرد کے لوگوں کا جینا حرام کیا ہوا ہے، کہیں خزانے پر پہرہ دے رہا ہے، کسی کہانی میں شہزادی ہر رات نیا بَر ڈھونڈتی ہے مگر وہ سانپ دولہا کو مار دیتا ہے:

"جب برات آ گئی، ڈولی میں بیٹھنا تھا ماشکی کے بیٹے نے، اس کی جگہ وہ سوداگر بیٹھ گیا۔ اس نے تو بندے کے بدلے بندہ لینا تھا وہ گبھرو کو لے کر روانہ ہوئی، بڈھا پیچھے پیچھے، اس نے سوچا دیکھوں تو سہی یہ مارتی کیسے ہے، رنگ محل کے اوپر سیج بندی لگی ہوئی، جب اوپر گئے ایک چٹائی پڑی تھی وہ چٹائی لپیٹ کر ایک کونے میں کھڑا ہو گیا، تلوار اس کے ہاتھ میں خدا کرنا یہ ہوا کچھ دیر بعد بادشاہ کی بیٹی کے مونہہ سے ایک باشک ناگ نکلا اور ادھر ادھر پھرنے لگا، وہی سانس پی جاتا تھا۔ اس نے تلوار کے ایک ہی وار سے سر اُتار کر پرے پھینکا، خود نیچے اتر کر اسی درخت کے نیچے بیٹھ گیا، وہ صبح اٹھے تو ٹھیک ٹھاک، بڑی خوشیاں منائی گئیں کہ ہماری شہزادی کو یہ بَر نصیب ہوا۔ یہ تو بڑی بات ہو گئی "۔(8)

بندے کے اندر سانپ ہونے کی رمز ہمارے سماج میں بہت پرانی ہے، کسی مریض کو شفا نہیں ملتی اسے کسی پیر فقیر کے پاس لے جاتے ہیں، مریض کو اُلٹی آتی ہے اور سانپ باہر جا گرتا ہے۔ من کے اندر پوشیدہ یہ سانپ ہماری خود غرضی، تکبر، حسد، حرص اور ہوس کی علامت ہے۔ جس کے ڈنگ کا شکار دوسرے انسان بنتے رہتے ہیں۔

"یہ وہ سانپ نہیں جو انسان کی روح میں بغاوت اور نافرمانی کا زہر داخل کرتا ہے بلکہ اس کے پاس قوانین و ضوابط ہیں جو ہر کسی کی تخلیقی صلاحیت ختم اور مسرت تباہ کر سکتے ہیں۔(9)

لوک کہانیوں کا افق بیحد وسیع ہے۔ بیسویں صدی میں ان کہانیوں کو تاریخی، عمرانی، ساختیاتی، ہیئتی، لسانیاتی، نفسیاتی، علامتی اور دوسرے کئی پہلوؤں سے پڑھنے کا رجحان پیدا ہوا ہے، جس کی وجہ سے لوک کہانی کے

کئی رموز سامنے آئے اور ماضی کے انسان کی دلچسپیاں سمجھنے کا موقع بھی ملا۔ اگرچہ ہم عصر فکشن کہانی کی ایک ترقی یافتہ صورت ہے، مگر لوک کہانی اپنی سادگی اور معانی کی تہہ داری کی بنا پر کئی علوم کی توجہ کا مرکز ہے۔ لوک کہانیوں میں سے ہمارے لاشعور اور اجتماعی شعور کی کئی خواہشات، حسرتیں، خوشیاں اور ناکامیاں جھلکتی ہیں۔ گھاس پھوس، چرند پرند، کیڑے مکوڑے، پہاڑ اور دریا، جیتی جاگتی حقیقت کی صورت سامنے آتے ہیں۔ ان کے تخلیق کار کائنات کو ایک کل سمجھتے تھے اور یہ گن صدیوں نے سمیٹ کر کتنا مختصر کر دیا ہے یہ کہانیاں کسی خاص وقت کی نمائندگی نہیں کرتیں بلکہ ماضی، حال اور مستقبل کا امتزاج دکھائی دیتی ہیں۔ جو ہمیں کشادگی عطا کر کے نئے جہانوں کی سیر کرواتی ہیں۔ ایسی وسعت کی تمنا کسی کسی کو ہی ہوتی ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1۔ ڈاکٹر سُرجیت سنگھ، "لوک بیانیہ: تصور، رُوپ اتے ادبی نظریہ"، مطبوعہ سنگری (2012)؛ شمارہ 1، جلد 2، ص 70

2۔ سعید بھُٹا، کمال کہانی (لاہور: سانجھ، 2006ء)، ص۔ 223۔24

3۔ سعید بھُٹا، "لال بادشاہ" پنجابی ادب، 5,28-6 (2013ء)؛ 52۔

4۔ سعید بھُٹا، "بلے دے مونہہ ککُڑ"، سنگری، 2,1 (2012ء)؛ ص 80

5۔ رینے گیسنوں، "پرندوں کی زبان،" مترجمہ۔ محمد سلیم الرحمن، علامت کے مباحث، مرتبہ۔ اشتیاق احمد، (لاہور: بیت الحکمت، 2005ء) ص 446۔

6۔ سعید بھُٹا، "آفات"، سنگری 3,3-4 (2014ء)؛ ص 88۔

7۔ محمد اجمل تحلیلی نفسیات (لاہور: نگارشات، 1969ء)، ص 147-48

8۔ سعید بھُٹا، سوداگر، اَن چھپی۔ مملوکہ سعید بھُٹا، جی سی یونیورسٹی لاہور۔

9۔ محمد اجمل، تحلیلی نفسیات، 153۔